"ان ایام میں زمین ہند کو عجیب زمانہ حاصل تھا۔ آپ کی (نظام الدین اولیاء کی) بارگاہِ خلافت سے وقتاً فوقتاً جو نئے نئے خلفاء روانہ ہوتے تھے، ان کی فیض پاشی سے ہند کا ہر مکان اور ہر قطعۂ زمین ہدایت سے آباد تھا۔ ایک روایت ہے کہ آپ نے بڑے بڑے شہروں میں بڑے بڑے مرتبے اور بڑی برکتوں والے سات سو خلیفہ ایسے روانہ کیے تھے کہ ان میں سے ہر شخص کے سینے سے گویا عرفان کا آفتاب طلوع ہوتا تھا[۱]۔"

خواجہ نظام الدین اولیاء کے نامور خلفاء نے بنگال، گجرات، مالوہ اور دکن جیسے مشہور اور اہم سیاسی مراکز میں سلسلۂ چشتیہ کی خانقاہیں تعمیر کیں اور وہاں اسلامی اصول و عقائد اور متصوفانہ نظریات کے ذریعہ نسلِ آدم کے بٹے ہوئے دل ایک دوسرے سے ملا دیئے۔ خدا کے ان برگزیدہ بندوں کے فیضانِ عمل سے ہندوؤں اور مسلمانوں کی آنکھوں میں تفرقہ و اختلافات کے پڑے ہوئے تمام پردے ایک ایک کر کے اٹھنے لگے اور دل سے دل اس طرح مل گئے کہ اسلامی حکومت کے استحکام کے ساتھ ہی ساتھ ایک مخلوط اور مثالی تہذیب کی تشکیل و تعمیر کیلئے بھی فضا ہموار ہوگئی۔

خلفائے نظامی میں حضرت شیخ سراج الدین نے اپنے وطن لکھنوتی[۲] جاکر ایک خانقاہ قائم کی اور بنگال میں پھیلے ہوتے جادوگروں کے شعبدوں کو اپنے روحانی کمالات سے ختم کر کے خواص و عوام کو یکساں طور پر متاثر کیا۔ سرزمین بنگال میں اخی سراج کے روحانی اثر و نفوذ کا ذکر کرتے ہوئے صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں:

"... اور اس مقام کو اپنے جمالِ ولایت سے سجادیا اور خلقِ خدا ان سے بیعت ہونے لگی۔ یہاں تک کہ اس ملک کے فرمانروا بھی ان کے حلقۂ مریدین میں شامل ہوگئے۔ ان کا روضہ قبلۂ ہندوستان ہے اور ان کے خلفاء اب تک اس علاقے میں خلقِ خدا کی رہنمائی کرتے ہیں[۳]۔"

---

[۱] اردو ترجمہ گلزارِ ابرار ص ۸۴-۸۵ — [۲] موجودہ مرشدہ آباد کا قدیم نام۔ [۳] اردو ترجمہ ص ۲۹۹-۳۰۰

جہاں عوام میں شیخ اخی سراج کی عقیدت ایسی راسخ ہوئی کہ لوگ برائیوں اور لغویات سے ایسے دور رہنے لگے کہ جیسے ان کے مُرید ہی ہوں۔ شیخ سراج کے خلیفہ شیخ علاء الدین گنج نبات نے پنڈوہ میں ایک بہت ہی شاندار خانقاہ قائم کی جہاں دور دراز علاقوں اور ملکوں سے آکر لوگ سلوک کی تربیت حاصل کیا کرتے تھے۔ شیخ گنج نبات کے صاحبزادے اور جانشین شیخ نور الدین قطب عالم پنڈوی اور مرید خلیفہ تارک السلطنت سید اشرف جہانگیر سمنانی[1] نے نہ صرف ہندوستان بلکہ دیگر اسلامی ممالک میں بھی چشتی سلسلے کی تعلیمات کو پھیلانے میں بہت اہم رول ادا کیا۔ خواجہ نظام الدین اولیاء کے جن دیگر خلفاء نے گجرات اور مالوہ میں اپنی خانقاہیں قائم کیں اور سلسلۂ چشتیہ کی تعلیمات کو ان علاقوں میں پھیلایا، ان میں شیخ وجیہ الدین، شیخ کمال الدین اور مولانا مغیث الدین کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

تاریخی تناظر میں اگر دیکھا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہوگی کہ ہندوستانی سماج پر اسلام کے اثرات قرآن وحدیث کی براہ راست تعلیم سے نہیں، بلکہ صوفیاء ومشائخ کی تعلیمات اور ان کے نمونۂ عمل سے مرتب ہوتے ہیں۔ یوں تو تصوف کے تقریباً تمام خانوادوں کے مشائخ نے اس ملک میں تبلیغی سرگرمیوں کو جاری رکھا لیکن خواجہ نظام الدین اولیاء اور ان کے تربیت یافتہ خلفاء کی تعلیمات اور تبلیغی خدمات زیادہ دیرپا اور دور رس ثابت ہوئیں۔ مشہور ہندوستانی مورخ ڈاکٹر تاراچند نے بھکتی تحریک پر صوفیاء اور اسلام کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے:

> "ہندوستانی سماج پر اسلام کے اثرات صوفیائے کرام کے ملفوظات وارشادات اور ان کے نمونۂ عمل کا نتیجہ تھے اور بھکتی تحریک کے علمبرداروں نے اپنے نظریات کی تشکیل اسلامی عقائد وفلسفہ اور متصوفانہ نظریات کی مدد سے کی تھی"[2]

(باقی صفحہ ۵۵ پر)

---

[1] حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی کے حالات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو — لطائف اشرفی مولفہ نظام

[2] انفلوئینس آن اسلام آف انڈین کلچر ص ۱۰۸

حقیقی ترقی کے اسباب اور اسلام

از: ڈاکٹر سید مسعود احمد، شعبہ بایوکیمسٹری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(۲)

مگر یہاں ہمارا موضوع سائنس اور سائنسدانوں کی تنقید کرنا نہیں ہے۔ ہم بھی اس آن دیکھی تقلید کو حق بجانب سمجھتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اس آن دیکھی تقلید میں سائنسی ترقی کی معراج مضمر ہے۔ ذرا غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ ان دیکھی تقلید تو اس لیے ناگزیر تھی کیونکہ سائنسی تحقیقات (SCIENTIF RESCARCHES) کی گاڑی۔ ایٹم الیکٹران اور پروٹان کو مانے بغیر آگے نہیں بڑھ رہی تھی۔ اور دوسری وجہ اس نظریہ کے قابل التفات سمجھنے کی یہ بھی تھی کہ ایک صاحب علم خصوصاً سائنس کو گہرائی سے جاننے والے شخص نے یہ نظریہ پیش کیا تھا اس لیے اس نظریہ کا حقیقت ہونا زیادہ قرین قیاس تھا۔ لہٰذا سائنسداں اس نظریہ کو قریب الحقیقت مان کر یہ مجرد قیاس و اتفاق (CHANCE) کے کمزور استدلال[1] (ملحد سائنسدانوں کے نزدیک قیاس و ان کی کوئی اہمیت نہ ہونے کے باوجود) کو اہمیت دیتے ہوئے سائنسی تحقیقات پر عمل پیرا رہے۔

---

[1] کمزور استدلال یہاں اسلئے استعمال کیا گیا ہے کیونکہ مجرد قیاس و گمان ایک غیر یقینی امر ہے اور غیر یقینی امر اہمیت کسی صاحب عقل سے پوشیدہ نہیں۔ جو ملحد سائنسداں مذہب کی بنیادوں اور ان حقائق کو مجرد قیاس و گمان اصول بھلیاں بتا کر مذہب کی طعنہ زنی کرتے ہیں وہ بھی ذرا غور فرمائیں۔

اور اسی لیے آج دنیائے سائنس اپنے ایٹمی اور نیوکلیائی دور (ATOMIC AND NUCLEAR AGE) میں داخل ہو چکی ہے۔

اب ذرا سلسلۂ کلام کا رُخ مذہب اسلام کی طرف موڑتے ہوئے عرض ہے کہ اگر حضرات انبیاء ورسل (PROPHET) فرمائیں کہ جنت و دوزخ کا وجود ہے اور انکے فرمان کو مندرجہ ذیل دلائل سے تقویت بہم پہنچے۔ مثلاً

(۱) وہ فرمائیں کہ ہم نے جنت و دوزخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

(۲) وہ یہ دعویٰ بھی کریں کہ ہمارے پاس وہ علم ہے جو تمہارے پاس نہیں۔

(۳) وہ معجزات کے ذریعہ اپنے علوم الٰہیہ کا اور پیشین گوئیوں کے ذریعہ اپنی غیر معمولی بصارت و بصیرت کا لوہا منوالیں۔

(۴) وہ اپنے فرمان کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لیے اپنا بے داغ کردار اور اپنی ناقابل تردید صدق کلامی کو دنیا کے سامنے پیش کریں۔

(۵) ان سب دلائل پر مستزاد یہ کہ ان حقائق کو ماننے والے سب سے بڑھ کر وہ بذات خود ہی ہوں۔

اب ذرا ان دلائل کو غور فرمائیے اور ایک انگریز مصنف اے۔ ای۔ مینڈر (A.E. MANDER) کے مطابق حقیقت کی کسوٹی کے بارے میں اسکی کتاب "واضح نقطۂ نظر" (CLEARER THINKING) سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔ وہ رقم طراز ہے:

"جو حقیقتیں ہم کو براہ راست حواس کے ذریعہ معلوم ہوں وہ محسوس حقائق (PERCEIVED FACTS) ہیں۔ مگر جن حقیقتوں کو ہم جان سکتے ہیں وہ صرف انہیں محسوس حقائق تک محدود نہیں ہیں، ان کے علاوہ اور بہت سے حقائق ہیں جن کا علم اگرچہ ہم براہ راست حاصل نہیں کر سکتے، پھر بھی ہم انکے بارے میں جان سکتے ہیں، اس علم کا ذریعہ استنباط (INFERENCE AND REASONING) ہے۔ اس طرح جو حقائق معلوم ہوں انکو استنباطی حقائق (INFERRED FACTS) کہا جا سکتا ہے۔ یہاں یہ بات

"اس امر سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں میں اصل فرق حقیقت ہونے کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ ایک صورت میں ہم اسکو جانتے ہیں' اور دوسری صورت میں اسکے بارے میں معلوم کرتے ہیں؛ حقیقت بہرحال حقیقت ہے خواہ ہم اس کو براہ راست مشاہدہ سے جانیں یا بہ طریق استنباط معلوم کریں۔"

اگر اس بحث کا دوسرے پہلو سے تجزیہ کریں تو اسلام اور سائنس دوسرے طریق استدلال سے بھی ایک پلیٹ فارم ہی پر نظر آتے ہیں۔ وہ یہ کہ سائنس کا طریق استدلال تجرباتی ہوتا ہے اور کسی سائنسی نظریہ کی حقانیت کی کسوٹی اس نظریہ سے متعلق سائنسی تجربات کا ایک جیسا نتیجہ برآمد ہوتا ہے اور یہ کہ ان تمام تجربات کے نتائج اس نظریہ میں فٹ بیٹھتے ہیں یعنی ہم آہنگ ہیں۔ یہ عملی استدلال اور تجرباتیت (PRACTICABILITY AND COHERENCE IN-EXPERIMENT AND THEORY) ہی اسکی دلیل میں وزن پیدا کرتے ہیں۔

اسلام بھی پیغمبر اسلامؐ کی شکل میں ایک عملی نمونہ پیش کرتا ہے۔ نبی اکرمؐ نے ان حقائق غیوبیہ کا علم قرآن واحادیث کی عقلی و وجدانی اپیل کے ذریعہ لوگوں تک پہنچایا۔ نیز ان نظریات وقوانین کی عملیت اپنی عملی زندگی سے ثابت کر دی۔ یہاں وہ وضاحت مناسب رہے گی کہ یہ زندہ نمونہ (LIVING MODEL AND SYMBOL) عملی تحریک پیدا کرنے میں تجرباتی ثبوت (EXPERIMENTAL PROOF) ہی کے متوازی وہم وزن ہوتا ہے۔

مزید برآں اسلامی حقائق وقوانین کی عملیت اور تجرباتیت اس تاریخی ثبوت سے واضح ہوتی ہے کہ ماضی میں جب بھی اسلام کے ان بنیادی عقائد کے ساتھ اس کے اصولوں کو عملی شکل دی گئی تو اس کے ایک جیسے اور مثبت اثرات ہی مرتب ہوئے۔

لیکن تب بھی ان حقائق پر آمنا وصدقنا کہنے والے اندھے مقلد کے طنزیہ خطاب سے نوازے جائیں اور ہمارے معترضین کو بھی اصرار ہو کہ جنت و دوزخ اور خدا کے وجود کو ماننے کے لیے کوئی سائنٹیفک ثبوت دیا جانا چاہیے۔

ضدی، ہٹ دھرم، اور متعصبانہ ذہنیت والوں کو تو ہمارا اسلام ہے۔ البتہ حق تو یہ ہے کہ سائنس کا دائرہ کار مذہب سے مختلف ہے اسلئے ان دونوں کے حقائق کی کسوٹیاں بھی الگ ہی ہونا چاہئیں۔ بفرض محال اگر سائنٹیفک دلیل ضروری ہی ہے تو جدید و قدیم سائنس بذات خود بھی کہاں بچ سکتی ہے۔ نیز یہ امر بھی خصوصاً وضاحت طلب ہے کہ سائنٹیفک دلیل سے ان کی کیا مراد ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ ہر علم (چاہے وہ سائنس ہو یا دوسرے علوم) کی گہرائی تک پہنچنے کیلئے غیر مشاہداتی حقائق (غیب) کو بغیر دیکھے تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ ایمان بالغیب وہ بنیاد فراہم کرتا ہے جس سے وہ "مومن" ترقیوں کی معراج کی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ ورنہ ترقی کے یہ آخری زینے طے کرنا انسان کے لیے محال ہو جاتے ہیں۔ یہ حقیقت ایک تاریخی مثال سے آسانی سے سمجھ میں آجائیگی۔ امریکہ نے دوسری جنگ عظیم کے موقعہ پر اگست ۱۹۴۵ء میں جاپان کے دو بڑے شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گراکر اپنی سائنسی ترقی اور طاقت کا لوہا منوالیا۔ قطع نظر اس سے کہ امریکہ نے اس خداداد ایٹمی طاقت کو پُرامن مقاصد میں استعمال کرنے کے بجائے، انسانوں کی خونریزی اور انسانیت کی تباہی کیلئے استعمال کیا جس کی واحد وجہ یہی تھی کہ وہاں مادی ترقی کے ساتھ اس معیار کی روحانی واخلاقی ترقی تو کجا اس میں اخلاقی تنزل وانحطاط ہی رونما ہوا۔ اور اس مادی و روحانی ترقی میں عدم توازن کا نتیجہ انسانیت کی تباہی کی شکل میں ظاہر ہوا۔

بہرحال اگر امریکہ کے سائنسداں ڈالٹن کے ایٹمی نظریہ اور ایٹم کے خیالی ڈھانچہ کو نہ مانتے اور اسی امر پر مصر رہتے کہ جب تک ہم ایٹم نہیں دیکھ لیں گے اس وقت تک اس میدان میں تحقیق و ترقی بیکار ہے تو امریکہ ایٹم بم کسی حالت میں بھی نہیں بنا سکتا تھا اور اس ایٹم بم کے بغیر امریکہ (معہ اتحادی روس) اپنی شکست کو فتح میں تبدیل کرنے میں ہرگز کامیاب نہ ہوتا۔ یہ تھا اس ایمان بالغیب کا ایک حقیر مگر مثبت ثمرہ جو امریکہ کی مادی ترقی کی شکل میں نمودار ہوا۔

سکونِ قلب اور ارتقاءِ انسانی | موضوع پر سیر حاصل بحث کے بعد یورپ و امریکہ اور

اشتراکی ممالک کی مسحور کن ترقی کے بارے میں بھی غور کریں جن کی ترقی کے بلند بانگ دعووں کی بازگشت سے ایوان مذاہب کانپ اٹھتے ہیں۔ تہذیب جدید کے متوالوں اور الحاد و مادہ پرستی کے علمبرداروں کا مذہب کے خلاف سب سے بڑا حربہ یہی ہے کہ مذہب کے بغیر ان ممالک کی اتنی بڑی ترقی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ دورِ جدید میں ارتقاء انسانی کے لیے مذہب کی ضرورت نہیں۔

حقیقت میں ان ممالک کی مسحور کن ترقی صرف ان کے سائنسی ارتقاء کی نشاندہی کرتی ہے۔ جس کا واحد سبب سائنس و ٹکنالوجی کیلئے خاطر خواہ آسانیاں اور سہولتیں بہم پہنچانا ہیں۔ اگر آج کے انسانی اذہان اور دنیوی معلومات سے سائنسی علوم و انکشافات نکال دیئے جائیں تو ان ممالک کے حصہ میں اخلاقی و روحانی پہلوؤں سے، ذہنی انتشار و ہیجان، خودکشی و جرائم کی کثرت، باہمی منافرت و عداوت کے سوا کچھ نہیں آتا۔

اس انداز سے غور کرنے پر اس حقیقت سے انکار محال ہے کہ ظاہری ترقی کے یہ دلفریب دعوے اور سبز باغ کسی مادی نظریہ کے مرہون منت نہیں، سوائے اس کے کہ ان نظریات کے حامیوں نے سائنسی تحقیقات کو اولیت دیدی ہے جبکہ اخلاقی و روحانی ترقی کی جگہ نفرت و نخوت، حسد و کینہ، باہمی بے تعلقی و خود غرضی، مایوسی و پریشانی، ذہنی انتشار و جنسی بے راہ روی، جرائم کی کثرت و خودکشی کی زیادتی، استحصال بے جا اور بدعنوانی جیسے اخلاقی جرائم اور روحانی دیوالیہ پن، ان نظریاتِ حیات کی دین ہے۔ ہم نے اپنے گذشتہ تجربہ سے ثابت کر دیا ہے کہ سائنسی ترقی کے داعیِ اوّل آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ قرآن ہی کی دعوتِ تحقیق و تفکر ہے جس نے سائنس کو آج ارتقاء کے ان منازل تک پہنچانے کی تحریک بخشی ہے۔ نیز دورِ وسط کے مسلمانوں ہی کے سائنسی علوم اور کاوشوں کے طفیل، دورِ جدید، دورِ سائنس کے نام سے موسوم ہونے کے قابل ہو سکا ہے۔ لہٰذا ان مادی نظریات کی کون سی ایسی خوبی ہے جو اسلام میں نہیں۔ جبکہ اسلام مادی ترقی ہی کو تحریک نہیں بخشتا بلکہ روحانی و اخلاقی ترقی کا بھی علمبردار ہے۔

تہذیب جدید کی بنیادیں الحاد پر اور عمارت مادی نظریات پر کھڑی ہیں جبکہ اس عمارت کو

حسن وجلا مادی سائنس نے بخشی ہے۔ لیکن اس عمارت کی ناپائداری اور کھوکھلے پن کی عکاسی بلیک (BLAKE) کے الفاظ میں یہ ہے- (A MARK IN EVERY FACE I MEET MARKS OF WEAKNESS, MARKS OF WOE)[1] - "ہر چہرے پر کمزوری (مایوسی) اور درد (شمنی نفرت) کی علامات مجھے ملتی ہیں" مزید برآں برٹرینڈ رسل (RUSSELL) بھی عدم سکون قلب کا اعتراف اس انداز میں کرتا ہے کہ "ہماری دنیا کے جانور خوش ہیں، انسان کو بھی خوش ہونا چاہئے مگر جدید دنیا میں انھیں یہ نعمت حاصل نہیں"۔[2]

آج ہمارے "ترقی پسند" حضرات ان ممالک کی مادی ترقی کے مختلف پہلوؤں پر تو طویل لکچرس دیتے ہیں مگر ان کی اخلاقی حیثیت اور روحانی تنزل کیلئے کوئی آہ انکی زبان سے نہیں نکلتی۔ بیشک مادی ترقی بھی دنیا کے لیے ناگزیر ہے مگر دنیا ئے انسانیت کے لیے آج اخلاقی اور روحانی ارتقاء کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے۔

ابھی چند ماہ قبل ہماری طویل گفتگو ایک ملحد ترقی پسند نوجوان سے ہوئی جو مارکسی نظریہ کے حامی تھے۔ ان کا معاملہ یہ تھا کہ گویا انھوں نے قسم کھالی ہو کہ ہماری بات کو تسلیم نہیں کریں گے اسلئے جہاں ان کو جواب نہ بن پڑتا اور اپنے خیالات کی کمزوری محسوس ہوتی وہ موضوع بحث کو بدل دیتے آخر کار ہم نے مزید الجھنا مناسب نہ سمجھا اور اسلام کے ایک پہلو کی دعوتِ غور وفکر دی کہ حضرت! ڈھائی تین گھنٹوں کی اس طویل بحث کے بعد کم ازکم اتنا تو آپ نہیں سمجھ سکتے کہ آپنے اپنے خیالات سے ہم کو متفق (CONVINCE) کردیا۔ اور ہمارا مقصد بھی اپنے خیالات کو جبراً منوانا نہیں تھا۔ مگر آخر میں ایک عرض ہے کہ اگر اس بحث کے نتیجہ کا گہرائی سے تجزیہ کریں تو ہم اور آپ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آپ خدا کے وجود اور آخرت پر یقین نہیں لہذا آپ کے پیش نظر سدا ظاہری اور دنیوی فائدہ ہوگا اور وہ آپ کو اس وقت

---

[1] ...
[2] CONQUEST OF HAPPINESS ص ۱۱

کسی طرح بھی حاصل نہیں ہوا۔ بلکہ ان تین گھنٹوں کا ذہنی و مادّی نتیجہ (OUTPUT) صفر رہا۔ آپکو کوئی نتیجہ اور فائدہ حاصل نہ ہونے کا قلق ذہنی انتشار کا باعث ہوگا اور آج رات کی اس طویل بحث کے بارے آپ کو نیند بھی آسانی سے نہیں آئے گی۔ جبکہ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے سمیع وعلیم ہونے کا یقین ہے۔ اسلام کی رو سے ہمارا مقصد صرف حق کا پہنچانا ہے نہ کہ اس کو منوانا۔ اور اسی تبلیغ پر ہم کو ثواب آخرت کی خوشخبری دی گئی ہے۔ لہٰذا ہمارا یقین ہے کہ اس تبلیغ حق کا اجر جنّت کی لازوال نعمتوں کی شکل میں ملے گا۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی ہمارا مقصد زندگی ہے۔ یہی ثواب آخرت اور اپنے محبوب حقیقی (اللہ تعالیٰ) کی رضا جوئی کی طلب ہمارے لیے باعثِ طمانیت اور باعثِ سکون قلب ہے۔ آج ہم کو گہری نیند آئے گی کیونکہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا زیادہ کام کیا ہے ـــ اس بات کا اُن کے پاس کوئی جواب نہیں تھا جو یقیناً اعترافِ حقیقت تھا۔ مذہب کا یہ مثبت پہلو بھی ہے، ناقابل تردید بھی۔

آج انسان حقیقی اور پائدار سکونِ قلب کا متلاشی ہے مگر تہذیب جدید کے پاس اس کا کوئی کارگر نسخہ نہیں۔ کاش یہ ترقی پسند حضرات عقل سے کام لے کر غور وفکر کرتے کہ ذہنی انتشار، انسان کی یکسوئی میں مزاحم رہتا ہے اور اسکی فکری و مادی ارتقاء میں رکاوٹ کا سبب بنتا ہے۔ بیشک آج کی تہذیب نے مادّی ارتقاء میں ایک نیا مقام پیدا کیا ہے۔ مگر یہ بھی ایک حقیقت مبرہن ہی ہے کہ ذہنی انتشار، مایوسی اور عدم سکون قلب انسان کی مادّی ارتقاء کی راہ کا بھی روڑا ہے۔

اس بحث سے واضح ہو جاتا ہے کہ اگر تہذیب جدید عقیدۂ خدا اور عقیدۂ آخرت پر یقین رکھتی تو وہ مادی وفکری ارتقاء کی منازل میں "بھی" آج سے کہیں آگے ہوتی۔

خلاصۂ کلام

حقیقی ترقی کے ناقابل تردید جامع معانی اور وسیع مفہوم کی روشنی میں موجودہ مادی نظریاتِ حیات اور مذاہبِ عالم کا تجزیہ کرنے پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حقیقی ترقی کے حصول کیلئے بہترین و متوازی اصول جو